عقل عاشر روح القدس کے ربط و اتحاد کا یہی معنی ہے کہ ہر ایک ملہم اپنی اپنی ہانکتا رہے اور ایک دوسرے کی سراسر تردید و تکذیب کرتا رہے ایک ہی امر کے متعلق ایک کچھ بیان کرے تو دوسرا کچھ ع

گر ہمیں مکتب است و ایں ملا ✤ کار طفلاں تمام خواہد شد

(۵) ان اختلافات و تناقضات کی داستان بہت وسیع ہے اجمالی طور پر ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اگر کسی کو شک ہے تو انجیل متی ب۲۶ انجیل مرقس ب۱۴ - انجیل متی ب۲۶ - انجیل مرقس ب۱۴ - انجیل متی ب۲۶ - انجیل لوقا ب۲۲ - انجیل متی ب۲۶ انجیل مرقس ب۱۴ انجیل یوحنا ب۱۸ انجیل لوقا ب۲۲ انجیل متی ب۲۶ انجیل مرقس ب۱۴ - انجیل متی ب۲۷ آیت ۴۸ و ایضاً ب۱۱ انجیل متی ب۲۷ انجیل لوقا ب۲۳ - انجیل متی ب۲۸ انجیل لوقا ب۲۴ - انجیل متی ب۲۸ انجیل لوقا ب۹ - انجیل متی ب۹ ب۱۰ و ب۱۲ - انجیل لوقا ب۹ و ب۱۰ و ب۱۱ - انجیل مرقس ب۲۵ ب۱۵ - انجیل یوحنا ب۱۹ ب۱۹ - انجیل متی ب۲۷ انجیل مرقس ب۱۶ انجیل لوقا ب۲۴ - کا باہمی تقابل کرے آیا یہ تمام ابواب مختلط اور ایک دوسرے کے متناقض ہیں یا نہیں جو شخص بھی بالغ نظر ہوگا حتمی طور پر یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ یہ کتب اناجیل تناقض اور اختلاف کی ژولیدگی میں اس طرح مستغرق ہیں جن کا حل جن کے مضامین کی توفیق و تطبیق بڑے بڑے فضلاء شارحین اکابر مسیحین سے بھی نہیں ہو سکتی ہم استشہاد کے طور پر ناظرین کے سامنے ایک واقعہ رکھتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں ان کے اکابر کا کیا فیصلہ ہے۔ انجیل مرقس ب۱۶ انجیل متی ب۲۸ و ب۱۳ - انجیل مرقس ب۱۱ انجیل متی ب۲۱ کے باہمی اختلافات و تناقضات کو دیکھکر "فاضل ہارن" جیسا محقق شارح انجیل توفیق و تطبیق سے عاجز ہو کر اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء ج۴ ص۲۷۵ و ۲۷۶ پر لکھتا ہے لا تحجم صورة ما من التطبیق فی هذه الاحوال ؎ یعنی ان اختلافات کے درمیان توفیق و تطبیق کی کوئی صورت نہیں

(باقی)

کیا فقر و مسکنت اچھی چیز ہے؟

(از مولوی محمد امین صاحب شوق مبارکپوری متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

قبل اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب عقلی دلائل سے ناظرین کے سامنے پیش کریں یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اللہ پاک نے اس کا کیا جواب دیا ہے۔ پس ناظرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن پاک کے پہلے ہی پارہ کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو بار بار مخاطب کر کے یاد دہانی کرتا ہے کہ ہم نے تم لوگوں پر طرح طرح کے انعامات و احسانات کئے اور جب تم نے کفران نعمت کیا تو ہم نے تمہیں مصائب و آلام میں مبتلا کر دیا اگرچہ ان انعامات کی تفصیل بہت وسیع ہے تاہم مختصراً ناظرین کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْـًٔا الخ یعنی اے اولاد اسرائیل تم یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ میں نے تم کو بزرگی دی تمام

جہان پر اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آویگا کوئی کسی ایک کیلئے کچھ بھی) اس نعمت کی تفصیل اور توضیح مال و اولاد دولت وحکومت جاہ و اقبال کے ساتھ کی جاسکتی ہے یہ حقیقت اور واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ تمام چیزیں کامل طور پر عنایت فرمائی تھیں لیکن جب انھوں نے سرکشی سے کام لیا تو وہ نعمتیں ان سے چھین لی گئیں۔ چنانچہ اخیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب ہم نے تم لوگوں کو آزمالیا کہ تم لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے تو ہم نے تمہیں ذلت و مسکنت (محکومی و مفلسی) میں گرفتار کر دیا۔

ارباب علم سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ ذلت اور مسکنت، دولت وثروت ملک وحکومت، اقبال و عزت وغیرہ وغیرہ نہ ہونے کا نام ہے۔ اب ہمارے ناظرین کو صاف معلوم ہوگیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نافرمان قوموں کو آخری سزا دی ہے وہ مفلسی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مفلسی اللہ کے غصہ وغضب کی علامت ہے جو قوم کہ مفلس کہلانے لگی اور فی الحقیقت مفلس بھی ہو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس پر خدا کا قہر وعذاب نازل ہو رہا ہے اور ضرور بالضرور اس قوم سے کوئی ایسی خطا ظہور پذیر ہوئی ہے کہ اس کے بدلے میں مفلسی جیسی بری سزا کی مستحق ہوگئی جیسا کہ بنی اسرائیل کو بلا وجہ انبیاء کو قتل کرنے اور خدائے برحق کی نافرمانی کرنے کے بدلے میں دی گئی تھی۔ نیز قرآن کی صحیح تعلیم تو یہ ہے کہ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ (یعنی اللہ کا فضل (مال ودولت) حاصل کرو)۔ مگر بعض حضرات اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (یعنی تمہاری اولاد اور تمہارے مال تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں) کی غلط تفسیر بیان کرتے ہوئے مال کی اس طرح برائیاں بیان کرتے ہیں کہ رفتہ رفتہ ہمارے دلوں سے اس کی مباح اور جائز قدر بھی جاتی رہی اور اب مفلسی ومحتاجی سے اس قدر مانوس ہوگئے کہ دولت وعزت کی طلب کا ہم میں کوئی جذبہ ہی نہیں باقی رہا۔ بلکہ ہر قسم کی ذلتوں اور رسوائیوں کے ساتھ زندگی گذارنا ہم نے اپنی امتیازی شان بنا لی۔ حالانکہ مندرجہ بالا سطور سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ہم مسلمان (نعوذ باللہ) مغضوبین الٰہی کی فہرست میں شامل ہوگئے ہیں

نیز اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اپنے انعامات کا ذکر کرتا ہے وہاں مال دولت، حکومت و اولاد کو بھی ان میں شمار کرتا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ جہاد۔ زکوٰۃ۔ حج۔ صدقات جاریہ وغیرہ وغیرہ رفاہ عام کی چیزیں کوئی بھی بغیر دولت کے حاصل ہوسکتی ہیں؟ ذرا غور تو کرو کہ خدا نے مال و دولت کو فضل اللہ (اللہ کا فضل) کہکر اس کی طلب کی کیسی لطیف ترغیب دی ہے؟ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے پہلے، سب سے اولین کام تجارت میں مشغول ہونا، مشیت ایزدی کے اس منشا کو نہیں ظاہر کرتا کہ جس مذہب کے بانی کی نشوونما ہی کسب حلال میں ہوئی ہو بھلا اس مذہب کے ماننے والوں کو اپنی عزت، اپنا وقار، بلکہ اپنا دین، اور اپنا ایمان محفوظ رکھنے کیلئے حصول دولت کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہوگا۔ کیا آپ کو یاد نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَن قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ (رواہ الاربعہ) یعنی جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے بھلا بتلایئے وہ مال جس کی مذمت میں ہمارے بعض ناعاقبت اندیش واعظین غلط باتیں بیان کرکے لوگوں کو

ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں کیا درحقیقت وہ قابل مذمت چیز ہے؟ اللہ اللہ وہ چیز جس کی حفاظت میں مارا جانیوالا شہید ہو وہ کبھی مذموم ہو سکتی ہے؟۔

اسی سلسلہ میں اس مقولہ کے متعلق بھی سن لیجئے جو عوام میں حدیث کے نام سے مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الفقر فخری وبہ افتخر یعنی فقر اور محتاجی میرے لئے باعث فخر ہے اور میں اس کے ذریعہ فخر کرتا ہوں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی اور موضوع ہے علامہ ابن تیمیہ کا ارشاد ہے کہ یہ حدیث کذب وافتراء ہے۔ ملا علی قاری حنفی اپنی موضوعات کبیر ص۵۸ میں فرماتے ہیں قال العسقلانی ھو باطل موضوع وقال ابن تیمیہ ھو کذب اس کے برخلاف صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فقر و محتاجی۔ قلت مال اور رسوائی سے، اللہ سے پناہ مانگتے تھے اور فرماتے تھے اللھم انی اعوذبک من الفقر والقلۃ والذلۃ واعوذبک من ان اظلم او اُظلَم یعنی اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں فقر اور قلتِ (مال) اور رسوائی سے۔ اور میں پناہ چاہتا ہوں کہ کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔

ہاں مجھے اس سے انکار نہیں کہ بعض آیتوں اور حدیثوں سے مال اور دولت جمع کرنے اور اس سے حرص و محبت پیدا کرنے کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے لیکن ان آیتوں اور حدیثوں کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں کہ وہ مال جن کو گن گن کر تجوریوں میں بند کر دیا جائے اس سے نہ اللہ کے حقوق ادا کئے جائیں نہ اللہ کے ننگے بھوکے بندوں کی پرواکی جائے۔ جن کے گھمنڈ اور غرور میں حق کو ٹھکرا دیا جائے۔ باطل کو فروغ دیا جائے اللہ کی مرضی کے خلاف حرام کاموں میں صرف کیا جائے جس کی محبت اور طلب کے انہماک میں احکام الٰہی کو بھلا دیا جائے یہ مال یقیناً ملعون اور مردود ہے۔ نہ اس کی طلب جائز ہے اور نہ اس کا جمع کرنے والا فلاح و خیر کا مستحق ہو سکتا ہے پس میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ جس طرح کا بھی مال ہو وہ اچھا ہی ہے بلکہ میرا یہ مقصود ہے کہ مسلمانوں کو دنیاوی ترقی اور عزت و جاہ سے مطلقاً باز رہنے کی ترغیب نہ دی جائے اور نہ انھیں فقر و مسکنت کا خوگر بنایا جائے بلکہ ان کو زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کا شوق دلایا جائے۔ اور پھر اس کو صحیح مصارف میں صرف کرنیکے طریقے بتائے جائیں اسلئے کہ اگر بغور دیکھا جائے تو دنیا میں ہی مال و دولت معیار شرافت اور معیار بزرگی قرار پاتے ہیں اس قسم کے واقعات روزمرہ سامنے آتے رہتے ہیں کہ ایک باپ کے بیٹوں میں اگر ایک دولتمند ہے خواہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو بڑے بھائی کو بھی نہایت ہی حقارت اور ذلت سے دیکھتا ہے۔ امیر آدمی کی حماقت آمیز باتوں پر بھی تعریفوں کے پل باندھ دیئے جاتے ہیں اور اگر کوئی غریب مفلس کوئی حق بات بھی کہے تو اس کو توہین آمیز تبسم کے ساتھ ٹال دیا جاتا ہے۔ اور موجودہ زمانہ میں تو دولت کے بغیر عزت کی زندگی اور دشمنوں سے بچاؤ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا الغرض فی زمانہ مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ضروری ہے کہ ان کی موجودہ ذلت و خواری کی وجہ دراصل دولت کی کمی ہے۔ اور دولت محنت سے حاصل ہوتی ہے اسلئے لازم ہے کہ ہم مسلمان اس کمی کو پورا کریں اور اچھی طرح اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ جب تک ہم کفایت شعاری اختیار کرتے ہوئے محنت